قرار دیا گیا ۔ اس دن کی سب سے نمایاں خصوصیت خوشی کا اظہار ہے۔ اس دن کے ساتھ خوشی کا تصور اس طرح لازم ہوا کہ لفظ عید جس سے اس دن کو موسوم کیا جاتا ہے خوشی کا ہم معنی قرار پایا ۔ لیکن اسلام میں خوشی کا تصور اور اس کے اظہار کے طریقے بھی اپنی نرالی شان رکھتے ہیں جو دنیا اور دنیا کی زندگی میں پائے جانے والے خوشی کے تصورات اور طریقوں سے یکسر مختلف اور منفرد ہیں ۔ ہماری خوشی میں ہوائے نفس ، لذت پسندی ، لہو و لعب ، معصیت اور ظلم و عدوان کے بجائے پاکیزگی ، اخلاص و ایثار ، امتنان و تشکر ، سنجیدگی و متانت اور روحانی بالیدگی کے مظاہر ہوتے ہیں ۔ ہماری عید ہمارے روزے کی طرح مادی اور جسمانی نہیں روحانی اور اخلاقی مظاہر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کی دنیا اس کی آخرت سے مربوط ہے اسی طرح اس کی اس دنیا کی خوشیاں بھی اُس دنیا کی خوشیوں سے مربوط ہیں ۔ خوشی کے موقع پر جہاں دنیا کی اقوام بہت سے حدود و قیود کو توڑ دیتی ہیں مسلمان انتہائی خوشی کی حالت میں بھی ان سے باہر نہیں جاتا ۔ اس لئے کہ اس کی خوشی ہوائے نفس کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اس کے سوتے اس کی روح اور اعلی اخلاقی اقدار سے پھوٹتے ہیں ۔ عید اور عید کی خوشیاں جملہ مسلمانوں کو مبارک ہوں!

(مدیر)

★ ★ ★ ★ ★ ★

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:2 (1981)

عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام

سید محمد عبد اللہ

ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ چیئرمین اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب نے یہ مقالہ پانچویں قومی سیرت کانفرنس منعقدہ ۱۲ ۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں کلیدی خطبے کی حیثیت سے پیش کیا ۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی اجازت سے ہم اسے نظر ثانی کے بعد اسے فکر و نظر میں شائع کر رہے ہیں ۔ (مــــدیـــر)

یہ پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام ہے اور یہ صرف عصر حاضر کے لئے نہیں بلکہ آنے والے ہر عصر اور ہر دور کے لئے ہے ، جو رب المشارق و المغارب نے اپنے آخری نبی کے ذریعے بھیجا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک تھے ۔ بعض غیر مسلم مفکّرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے ۔ مثلاً جیسا کہ دوسروں کے علاوہ پروفیسر آر ، ڈبلیو ، جے آسٹن(۱) نے ایک اپنے مضمون میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے :

"......He is the archetype or norm of Humanity par excellence in whom all aspects of being unique (unite) at the centre are in perfect harmony and balance." (P. 68, '*The Prophet of Islam*' in the Book *The Challenge of Islam* ed. by Altaf Gohar. 1978).

بلکہ آپ کو خاتم النبییّن ہونے کے لحاظ سے جملہ علوم نبوت بدرجہ اتم حاصل تھے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوّت یا کمالاتِ نبوت آپ کو عطا ہوئے ۔ یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت ، علم و

(۱) فاضل مضمون نگار یونیورسٹی آف ڈرھم (یو کے) میں تقابل مذاہب اور تصوف کے استاذ ہیں ۔

حکمت اورر تدبیر و سیاست و ملکداری ، اور یہ وہ کمالات هیں جو عطیۂ ایزدی هیں ، اکتسابی نهیں ۔ یهی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماهرین ان کمالات کو (CHARISMA) کا نام دے کر اسے محیّر العقول سمجھتے هیں ۔ دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب هیں جو علم ظاهری سے نهیں نورِ ایمان سے منّور هوں ۔

آج حضور پُر نور کا یوم ولادت با سعادت ہے ۔ اس کا تقاضا ہے ، نیز اس فضا کا بھی ہے جو مملکت خداداد پاکستان میں پیدا هو چکی ہے تقاضا ہے کہ حضور کی تعلیمات کو داخلی اور خارجی طور سے سارے عالم میں پھیلایا جائے ۔ اگر چہ چودہ صدیاں گزر کر اب اسلام پندرهویں صدی میں داخل هو چکا ہے ، لیکن دنیا کو (اور خود عالمِ اسلام کو) علوم نبّوت یعنی نبوی رشد و هدایت ، علم و حکمت ، تدبیر ملکداری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظهور قدسی کے وقت تھی کیونکہ آپ تا قیامت بشیر بھی هیں اور نذیر بھی ۔ چونکہ حضور کی نظر میں دین خیر خواهی کا نام ہے (چنانچہ فرمایا : اَلدِّیْنُ النصیحة) اس لئے اس خیر خواهی کے ساتھ یہ امر لازم هو جاتا ہے کہ مذکورہ سعادتوں کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائے جو حضور کی سیرت اور اسوۂ حسنہ اور تعلیم میں هیں تاکہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح دارین حاصل کر سکے ۔

یاد رهے کہ عصر حاضر کی ترکیب میں مغربی تهذیبی دنیا بھی شامل ہے اور سارا مشرق اور عالم اسلام بھی۔اس سلسلے میں حضور ﷺ کے پیغام کو دو آیتوں میں سمیٹا جا سکتا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے لَقَد کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہ اُسْوَۃ حَسَنَة اور باقی عالم (عامة الناس) کے لئے وَمَآ اَرسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ ۔ جهاں تک خاص مسلمانان عالم کا تعلق ہے ان کے لئے حضور ﷺ کا ایک بنیادی پیغام دو نکتوں میں جمع کیا جا سکتا ہے پهلا نکتہ یہ هوگا کہ اے مسلمانان عالم متفق و متحد هو جاؤ ، تفریق و انتشار سے بچو ۔ بقولِ اقبال؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ مسلم اقوام اپنی داخلی کوتاہیوں اور زیادہ تر درآمد شدہ اجنبی تصّورات سے مغلوب ہو کر شقاق و افتراق کی بری حالت میں ھیں جو اُدْخُلُوْا فِیْ السِلّمِ کَآفَةً کی روح کے منافی رویّہ ہے۔ اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ھیں ۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باھمی بے تعلقی کا عالم ہے، لہذا قدرتی طور سے حضور اپنی امّت کو آج بھی وھی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے ۔ اور یہ حسن اتفاق ہے کہ حال ھی میں صدر مملکت ، جنھیں قدرت نے بہت سی جگہ اپنے دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا شرف بخشا ہے ، بتقاضائے آیۂ کریمہ وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُوْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ایران اور عراق کے مابین مصالحت کروانے کے لئے ایک اور خیر سگالی مشن انجام دے کر واپس لوٹے ھیں ۔ اللہ تعالی انھیں جزائے خیر دے ۔ جس طرح حضور کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ھوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی ، آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ھی روشن امکانات رکھتی ہے۔ بلا شبہہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گھیرے رہے مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رُو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں ۔ اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کرکے خود کو ایک بنیان مرصوص بنا لیں ۔

دوسرا نکتہ حضور ﷺ کے پیغام کا یہ ھوگا کہ اے مسلمانان عالم اپنے اصلی نصب العین یعنی دعوتِ حق کو فراموش نہ کرو اور موعظہ حسنہ اسلام کو آج کے دور میں آج کی زبان اور آج کے محاورے میں پیش کرو اور حکمت تسخیر کائنات سے بہرہ مند ھو جاؤ۔ دوسروں کی ٹکنالوجی سے مرعوب

ھو کر نہیں بلکہ وَاَعِدّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوۃٍ کے علاوہ ایمان و یقین ، اعمال صالحہ اور یوم آخرت کے ایقان سے مستحکم ھو کر ، اس اصول پر آگے بڑھو جس کا درس سیرت نبوی میں ملتا ہے ۔ وہ درس خدا کے ارشاد : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّ لاَ تَفَرَّقُوْا میں ہے ۔

یہ تو رھا سادہ سا پیغام حضور انورکی طرف سےمسلمانان عالم کے نام جس کی تفصیلات قرآن مجید میں الگ الگ بھی ھیں اور یکجا بھی جنھیں مصری فاضل محمد حسین ھیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ میں یکجا جمع کر دیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب کا صفحہ ۵۳۴ ۔ ۵۳۵) یہ گویا ایک منشور انسانیت ہے جو مسلمانوں کے علاوہ سارے عالم کے لئے بھی ہے ۔ اس میں سب نیکیاں جمع ھیں اور اسلام عبارت اسی عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے ہے ۔ اس میں حقوق اللہ ، حقوق العباد اور دیگر اکثر معاشرتی تلقینات موجود ھیں جو زندگی میں پاکیزگی ، توسط ، حسن معاملہ اور ثروت قلوب پیدا کرتی ھیں اور معاشرے کو اس بے آھنگی سے بچاتی ھیں جو مغربی دنیا میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے ۔ مگر اس کا ذکر آگے آئے گا (حضور کے دوسرے معاشرتی و اخلاقی احکام کے لئے یکجا دیکھئے مولانا بدر عالم کی کتاب ترجمان السُنة جلد دوم و سوم)

موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضور کی سیرت پاک کے حوالے سے عصر حاضر (یعنی مغرب) کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ حضور کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ھو سکتا ہے ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے لیکن ان عظیم الشان ترقیّات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ھوتا ہے وھاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ھیں ۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصّورات کسی خاص قسم کے عدم توازن کا شکار ھو چکے ھیں اور انہیں واقعی کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ھو جائے اور ھمارا یقین یہ ہے کہ وہ پیغام رحمت

حضرت رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرت نبویہ) میں موجود ہے۔ رحمت سے مراد کیا ہے ؟ اس لفظ کا مادہ رحم (ر ح م) ہے اور رحیم ، رحمان بھی مفسّرین اور عام عرب زبان شناسوں کے نزدیک اسی مادے سے ہیں ۔ «رحمِ مادر» کی ترکیب کے حوالے سے اس کے مفہوم میں بہت سے جذبات محبت و تربیت آ گئے ہیں ۔ اس کے معنی محبت ، شفقت ، نرمی اور عفو و درگزر ہیں ۔ لیکن در حقیقت یہ اس کے محدود معنی ہیں ۔ رحمت بہت وسیع لفظ ہے جو خداوند تعالی نے اپنے لئے بھی اور حضور کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ غور و تدبّر سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ اس لفظ میں جملہ پدرانہ اور مادرانہ، معلّمانہ اور مربّیانہ محبتیں اور شفقتیں جمع ہیں جن کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا ۔ مختصراً رحمت ، شواہد ربوبیت کا مظہر اور سرمایۂ بہجت و سعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملہ دکھوں کی دوا بھی ، اس میں تسلّی اور مداوائے غم بھی ہے مگر مربیّانہ تربیّت اور معدّلمانہ بشارت کے ساتھ انذار بغرض اصلاح بھی ہے۔ بہر حال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پا کر اطمینان حاصل کر سکے بلکہ اس سے بڑھ کر قلوب میں شادابی کی کیفیت پیدا ہو جائے ۔ جو یک گونہ توانائی اور نشوونما کی صلاحیت کی بھی ضامن ہو۔ لہذا حضور کے پیغام میں یہ سب باتیں موجود ہیں جن کا ذکر ہوا ۔

«رحمة للعالمین » کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم (صفحہ ۹۲ و بعد) میں حضور کی سیرت طیّبہ سے حضور کے رحمة للعالمین ہونے کے ۳۶ سوانحی نمایاں شواہد پیش کئے ہیں جن میں آپ نے ان سب غیر معمولی شفقتوں اور بے نظیر مہربانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خدا تعالی کے آخری پیغمبر نے کیں ۔ اور ان سے ان سب کمالات نبوت (رُشد و ھدایت اور خیرخواھیء عام) کا ثبوت ملتا ہے جن کا اس سے قبل ذکر آ چکا ہے۔ چند مثالیں ھی کافی ہوں گی ۔ آپ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے وَلاَ یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَیٰ اَنْ لاَّ تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا فَاذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآء ۔ ان مثالوں کے علاوہ

حضور کی جملہ تعلیمات میں تسلی ، آسودگی ، عدل اور رواداری جیسے شواہد رحمت پائے جاتے ہیں ۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہنچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ یہ دعوی مغرب کے اکثر مفکّر کرتے بھی ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ و یورپ کے معاشروں میں کجروی اور بے یقینی کے بحران بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پریشانیوں کا موجب ہیں ۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے ۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مغرب کی یہ پریشانیاں کیا ہیں (جن سے ان کے اپنے مصنّفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جا سکتا) تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی پرشانیاں دو ہیں جو باقی سب پر محیط ہیں :۔

اوّل خوف یعنی کسی خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے ہمراہ وسائل زندگی کا تدریجی طور پر کم ہو کر ختم ہو جانے کا اندیشہ ۔

دوم قحط الفت و رفاقت و محبت جو کرب تنہائی اور خود بیزاری (ALIENATION) پر منتج ہو رہا ہے اور بقول غالب ؎

سایہ میرا مجھ سے مثل دُور بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں ؟

ٹوائن بی نے مغربی انتشار قلبی کی صرف دو علامتوں کا ذکر کرکے بات ختم کر دی ہے کہ مغرب کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں ۔ ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسری ALCOHOLISM اور شپنگلر نے تو اپنی دَوری (CYCLIC) فلسفۂ اقوام سے زوال مغرب کی اصل بیماری کا ذکر گول ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں ۔ یہ کہانی طویل ہے ۔

علامہ اقبال کہہ گئے ہیں ؎

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب آنست کہ بیمارِ تو بیمار تراست

در اصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصوّر زندگی سے ہوا کہ دین اور دنیا دو الگ الگ حقیقتیں ہیں ۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا گیا ۔ دیکارت نے ہر وسیلۂ علم و زندگی کو مسترد کرکے جزا و سزا اور عقبی اور رحمت کے چھپے ہوئے جملہ وسائل سے انسان کو مایوس و محروم کر دیا ۔

اور اب آخری نقطۂ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواهشات نفس کی بے روک تسکین ۔ یہ دراصل انسان کا غرور نفس ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ۔

یَاَیّهَا الاْنْسَانُ مَا غَرّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ قدرت نے مغرب کو ایک نعمت سے نوازا تھا جس کا نام سائنس ہے لیکن اس نے سائنس کو بے محور فلسفہ بنا کر اپنی خدائی کے دعوے شروع کر دئے ۔ اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں کیونکہ سائنس ہر شے کے لئے کافی ہے ۔ (فاضل محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یوں ہوئی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو MYTH بنا دیا (دیکھئے ان کا مضمون در کتاب THE CHAL-LENGE OF ISLAM مرتبہ الطاف گوہر صفحہ ۳۱۴ . جہاں ڈارون ، فرائیڈ اور مارکس کے خیالات کا تجزیہ کیا گیا ہے) ۔

بہر حال جب تجربے سے ثابت ہوا کہ سائنس برحق تو ہے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی کلّی حقیقت کا نہیں (جس کا احاطہ مذہب ہی کر سکتا ہے) تو اس تجربے سے آہستہ آہستہ ضمیر دار اہل فکر کو محسوس ہوا کہ انسان ایک نہایت ہی وسیع دنیا ہے ۔ اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پھیلنے لگی ۔ جان وتن کی تفریق بڑھتی گئی اور دل پژ مردہ ہوتے گئے ۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹٹولیں

گے تو اکثر مغربی لوگ اندر سے دکھی نظر آئیں گے ۔ (چنانچہ ۱۹۶۰ ء تا ۱۹۸۰ ء کا مغربی ادب اسی کرب و اضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصویر دیکھنی ہو تو ہارورڈ کے پروفیسر T.W.BELL کی کتاب CULTURAL CONTRADICTIONS OF CAPITALISM تھیا بالڈ کی کتاب BEYOND DESPAIR اور MAGEE کی کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND کے اوراق پر نظر ڈالئے اور خود دیکھ لیجئے کہ پریشانی ، کجروی اور تخریبی احساس کس خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے ۔

غرض مغرب یا عصر حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں اوّل خوفِ جنگ اور اندیشۂ قحطِ وسائل ۔ دوم کرب تنہائی اور خاتمۂ محبت و رفاقت ۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواهشات کی تسکین اور عیش امروز ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ۔ ایمان باللہ اور ایمانیات سے انکار ۔ دین اور دنیا کی جدائی مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بنیادی پیغام مغرب (عصر حاضر) کے نام عَوْد اِلی الایمان (RETURN TO FAITH) ہے ۔

ایمان (FAITH) کی اس ضرورت کا احساس دوسری جنگِ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتا گیا تھا جس کا ظہور کتنی شکلوں میں ہوا ہے ۔ اس کے علمبردار پال ٹلش (PAUL TILLICH) جیسے مغربی مفکّر بھی ہیں اور داخلیت کے فلسفی بیوبر (BUBER) جیسے بھی ہیں ۔ ایک مذہبی مفکّر J.B. MAGEE نے ایک مبسوط کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND میں جدید ذہن کا شرح و بسط سے تجزیہ کرکے FAITH کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے ۔ اور ایک اور مصنّف نے اپنے ایک مضمون IT IS TIME TO REMIND WEST کے عنوان سے یورپ کو تنبیہہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خدا سے تعلق پیدا کرو ۔ غرض ایمانیات کے حق میں آمادگی پائی جاتی ہے اور حضور کے پیغام کے

لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے کاش عصر حاضر دینِ اسلام اور سیرتِ رسول پاک پر ٹھنڈے دل اور بے تعصّبی سے نظر ڈال سکے۔

حضور کی تعلیم و تلقین TOTALITY کلیت (دین اور دنیا ، تن اور روح کی جامعیت) کی طرف رجعت کی دعوت دے رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کے بعد جو مادی ترقی کی ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اوپر جس تفریق کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں بلکہ اس کے عملی نتائج و ثمرات نے ساری دنیا کو عذاب میں مبتلاکر رکھا ہے اسی تفریق کے تصّور سے قومیّت کا تصور پیدا ہوا ہے جس نے نسلِ انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اب ہر قومیّت دوسری قومیّت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے سرمایہ‌داری اور اشتراکی استبداد بھی اسی کے نتیجے ہیں ۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب و قبائل کی عصبیّت اور ان کی باہمی جنگ کو (جن کی بنیاد پر آج قومیتیں اُبھر رہی ہیں) "آگ" قرار دیا گیا ہے اور الفت و رفاقت باہمی کو (بر بنائے وحدت انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دنیا حضور کی دی ہوئی اس نعمت کی بڑی شدّت سے ضرورت مند ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے۔

وَاذْكُرُوْ نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَاناً وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍمِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (آلِ عمران ۱۰۳)

(ترجمہ) اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنّم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف تن اور حواس کی زندگی پرزوردینےکاایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں ABSOLUTES کا انکار کر دیا گیا ہے لہذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں لہذا جبلّتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا اسی سے وہ معاشرتی اور انفرادی انار کی

نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عریانی جنس پرستی اور «اینگری بوائے» اور «باربیرک ڈراما» جیسی کجروی کو جنم دے رہی ہے ۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زر اندوزی (سرمایہ داری یا تکاثُر) واحد مقصدِ حیات بن گیا ہے چنانچہ اسی کے نتیجے میں استعمار و استحسال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے ۔

قرآن مجید نے تکاثُر ، اسراف و ترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہوگی تو اسے تن پرستی اور تکاثُر سے اجتناب کرکے توسّط کی زندگی کو اپنانا ہوگا ۔ اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویّہ بنانا پڑے گا ۔

مقصد یہ کہ حضور کی تعلیمات کی رُو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی و معاشرتی مصائب کا علاج ہے ۔ اسلام کے نزدیک مال و دولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بُری چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بری ہے ۔ اسی طرح انسان کی آزا دی معاش کو سلب کر لینا بھی مذموم ہے ۔ حضور کی معاشی تعلیم میانہ روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضور کی دعوت پر غور کرنا چاہئے ۔

لہذا اسلام اور حضور کی تعلیم اقتصاد کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نموودار ہوئے ہیں اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس طرح استحصال کیا جا رہا ہے وہ بھی نہ ہو ۔

اس کے لئے حضور کے قائم کردہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے ، اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دلی سے کمائے اورر بانٹ کر کھائے ۔

میرا خیال ہے کہ مغربی مفکّرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ محبت و تعاون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی

ایک عملی صورت ہے ۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شورائی اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اقتدار کی پسند یا تقوی پر یا عقل پر ہونی چاہئے اکثریت کا اصول طفل تسلّی سے کم نہیں ۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا ۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے ۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّ نِسَآءً ۔ (۴ النساء)

حضور کی تعلیم اسی عظیم تصوّر پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی روادار ہے جس میں کسی غیر مسلم معاشرہ سے بھی مشترک اصولوں کی بنیاد پر تعاون کیا جا سکتا ہے ۔

اس کا ثبوت میثاق مدینہ ہے ۔ (جس کے ذریعے آپ نے یہودیوں کے ساتھ شہریّت میں اشتراک کیا) اس کے علاوہ آپ نے معاصر سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھے ان میں كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ کے اصول کو دہرایا ۔

آپ نے قرآن مجید کی مشہور آیت کریمہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ کے مضمون کے مطابق انسان کی اکرمیّت کی بنیاد تقوی اور شرافت کو بنایا اور خطبۂ حجۃ الوداع میں تو صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں . صرف تقوی کی بنیاد پر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے ۔ محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں ۔ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے غلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں ۔ یہ اسی قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا ۔

آج کے دور میں کبھی کھلا اور کبھی کنایۃً سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دوسرے اوصاف کو وجہ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضور کی تعلیم اس کے خلاف ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں اس کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں ۔ اسی اصول یا عقیدے کی بنیاد پر اسلام کو PLURALISM جیسی کوئی مشکل پیش

نہیں آئی ۔ امریکہ چاہے تو نسلی مسئلے کا حل اسلام کی تعلیم کے ذریعے کر سکتا ہے ۔

وحدت نسل انسانی کے تصّور کے اندر سے مغرب کے بعض مفکّر تمام عالم کی واحد ریاست کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں اور حقوق عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعوی بھی کرتے ہیں اور کنگ جان کے میگنا کا رٹاا (۱۲۱۵ء) کو اوّلین دستاویز حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفرین تجویزوں مثلاً پین یورپا لیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ کا بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگِ بنیاد حضور نے میثاق مدینہ کے علاوہ خصوصی طور سے خطبہ حجّۃُ الوداع میں رکھا تھا ۔ جن مثالوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ یا تو محدود تھیں یا ناقابل عمل تھیں کیونکہ ان کی بنیاد صرف مادی تھی اور وہ اس روحانی کشش سے خالی تھیں جو قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہو ۔ (کتاب UNIFICATION OF MANKIND کے آخری باب کے دلائل ، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں)

بالیقین حضور کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست کے خواب کی عمل تشکیل کر سکتی ہے ۔ کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے ۔

جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے گا اس کے جملہ اقتصادی ، معاشرتی ، معاشی اور تعزیراتی نظام خود بخود خدا ترسی ، انصاف ، عدل ، رفاقت ، مساوات اور توسّط کے اصولوں پر چلنے لگیں گے ، گویا زمین پر اللہ کی حاکمیّت قائم ہو جائے گی ۔

★ ★ ★ ★ ★ ★

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:2 (1981)

سمہ حکمرانوں کے علمی کارنامے

رحمت فرخ آبادی

سندھ ازمنہ قدیم ھی سے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ھے ۔ یہاں سے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کے جو چشمے پھوٹے ، انہوں نے ایک عالم کو متاثر کیا ۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ھے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو اس زمانے میں سندھی زبان ، ایک تحریری زبان کی حیثیت سے موجود تھی ۔ سندھ پر عربوں نے تقریباً تین سو سال حکومت کی ۔ اس تمام عرصہ میں اسلام یہاں بڑی تیزی سے پھیلا ۔ درحقیقت اس دور کی اسلامی فتوحات کی نمایاں خصوصیت سیاسی اقتدار کی حیرت انگیز تیز رفتاری اور غیر متزلزل توسیع نہیں بلکہ سیاسی اقتدار کے جلو میں دین اسلام ، عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم و فنون کی کارفرمائی ھے ، چنانچہ ھم یہ دیکھتے ھیں کہ سندھ کے عرب حکمرانوں میں فاتح سندھ محمد بن قاسم بذات خود عربی کا ایک قادر الکلام شاعر تھا اور بقول ڈاکٹر ممتاز پٹھان (۱) سندھ میں محمد بن قاسم پہلا فرد تھا جس نے عربی شاعری کی ترقی اور نشو و نما کی ابتدا کی ۔ تاریخ شاھد ھے کہ محمد بن قاسم کے بعد بھی سندھ میں یکے بعد دیگرے کئی گورنر ایسے مقرر ہوئے جن کے ھمراہ شعراء بھی آئے ، جو بنیادی طور پر سپاھی تھے (۲)

اسی طرح ھم یہ بھی دیکھتے ھیں کہ سندھ پر عربوں کی حکمرانی کے زمانے میں شاعروں ، ادیبوں ، دستکاروں اور سپاھیوں کے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آنے اور جانے کی وجہ سے عربوں اور اھل سندھ کے درمیان ایک گہری افہام و تفہیم بھی پیدا ھوئی جس نے مستقبل میں علمی اور ادبی

سرگرمیوں کے جاری رکھنے میں بہت مدد دی ، عرب حکمرانوں نے سندھ کے غیر مسلم عالموں کی حوصلہ افزائی کی ۔ اس سلسلے میں ہم آل برامکہ کی خدمات کو کسی طور پر فراموش نہیں کر سکتے ، چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عباسی گورنر عمران بن موسی برمکی نے یہاں کے علم و ادب کے ساتھ گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور بغداد کے بیت الحکمت کے لئے سندھ کے عالموں کا ایک وفد بھیجا (۳)

عرب حکمرانوں کے بعد سب سے قابل ذکر دور سندھ کے سومرہ حکمرانوں کا ہے ۔ سومرہ خاندان کے تقریباً بیس حکمرانوں نے سندھ پر حکومت کی ، یہ دور سندھی ادب کی نشوونما کے لئے بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ اس دور کی ادبی روایات نے آنے والے دور کے لئے بنیاد کا کام دیا ۔ سومرہ دور میں جو لوک داستانیں لکھی گئیں ، ان کے بارے میں یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ سومرہ حکمرانوں کے علمی ذوق کی بھی آئینہ دار ہیں اور یہ کہ ان داستانوں سے ہمیں اس دور کی تہذیب و معاشرت کا بھی پتہ چلتا ہے ، اب جہاں تک سومرہ دور کی علمی سرگرمیوں کا تعلق ہے ، اگرچہ وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں لیکن بقول قبلہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (۴) یہ کہے بغیر بھی نہیں رہا جاتا کہ ‹‹ سمہ خاندان کے آخری دور میں سندھ میں تعلیم و تدریس کے اعلی معیار اور متعدد درسگاہوں میں اعلی ترین قابل اور فاضل اساتذہ کی موجودگی سے یہ گمان قوی ہوتا ہے کہ عرب اسلامی دور حکومت سے لے کر سمہ حکمرانوں کے دور تک سندھ میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کا ایک مسلسل اور مربوط نظام قائم رہا جس کا ثبوت اس عرصہ میں کئی سندھی علماء اور محققین کا وجود ہے جن کے اسمائے گرامی اور مختصر سوانح حیات بیرون سندھ کے علماء کی تصانیف میں مل جاتے ہیں ›› ۔

سومرہ خاندان کے بعد سندھ پر سمہ خاندان نے حکومت کی ، ان کا اقتدار ۱۳۵۱ء/ ۷۵۲ھ سے لے کر ۱۵۱۹ء / ۹۲۳ھ تک رہا ۔ (۵) اور یہی ہمارے مقالے کا موضوع ہے ۔ سومرہ حکمرانوں کے زوال کے دور میں یہ قوم بہت طاقتور